

## اسلامی تمدن

مولانا محمد حفیظ الرحمن صاحب سیوہاروی

لغت سے قطع نظر جب ہم لفظ "تمدن" بولتے ہیں تو اس سے زندگی کے وہ تمام شعبے مراد ہوتے ہیں جو ذمیوی حیات و بقا کے لئے ضروری ہیں اور اس لئے کھانے پینے، پہننے اور رہنے سہنے کے مخصوص طریقوں پر بھی تمدن کا اطلاق ہوتا ہے۔

جب کوئی شخص کہتا ہے کہ فلاں قوم کا یہ تمدن ہے تو اس کی مراد یہی ہوتی ہے کہ اکل و شرب میں لباس میں اور بود و ماند میں اس کا یہ خاص طریقہ زندگی ہے۔ ملک اور قوم کے نام پر تو دنیا میں تمدن کا ہمیشہ چچا رہا ہے اور تاریخچائے قدیم و جدید اس ذکر سے پُر ہیں۔ ہم آپس میں بھی یہ کہتے رہتے ہیں کہ یہ یورپین تمدن ہے اور یہ ایشیائی تمدن اور ایشیا میں بھی یہ ہندوستان کا تمدن ہے اور یہ ایران کا یہ چینی تمدن ہے اور یہ جاپانی۔

تو کیا مذہب کے نام پر بھی کسی تمدن کو منسوب کیا جا سکتا ہے اور کیا کسی مذہب نے مذہبی نقطہ نظر سے کسی ایسے تمدن کی تعلیم دی ہے جو ملک، وطن اور قوم کی خصوصیات و امتیازات کے باوجود مختلف ممالک و اقوام کے لئے یکسانیت رکھتا اور اس سلسلہ میں مساوات کی دعوت دیتا ہو؟

معلوم نہیں کہ اور مذاہب و ملل اس کا کیا جواب دیں لیکن اسلام کا بے شبہ یہ دعویٰ ہے کہ وہ ایک ایسے ہمہ گیر مساوی تمدن کا حامل ہے جو اقوام و اہم اور ممالک و اوطان کے خصوصی امتیازات سے بالاتر ہو کر سب کو اس کی دعوت دیتا ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ آنکھ بند کر کے اور حقیقت سے منکر ہو کر ملکوں کی موسمی اور جغرافیائی خصوصیات و امتیازات کی بائبل پر واہ نہیں کرتا بلکہ اس کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ ایک ایسے تمدن کی دعوت دیتا ہے جس کی پابندی کے باوجود ہر اہل ملک اپنے طبعی، جغرافیائی، موسمی اور ملکی تغیرات و خصوصیات کے ساتھ ساتھ زندگی بسر کر سکتا ہے اور یہی اس ہمہ گیر تمدن کی خوبی اور برتری ہے کہ وہ اپنی قیود و حدود میں پابند انسان کو فطری ماحول کے خلاف مجبور بھی نہیں کرتا اور مختلف ممالک کی اقوام و اہم کو ایک رشتہ تمدن میں بھی منسلک کر دیتا ہے۔

اسلام کے اس نظریہ کی تشریح و تفصیل کیا ہے؟ یہی آج کی صحبت میں ہمارا موضوع بحث ہے۔  
گذشتہ سطور میں تمدن کے مفہوم سے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اس کے پیش نظر "اسلامی تمدن" کی تشریح و توضیح میں بھی اس کو حسب ذیل شعبوں میں تقسیم کہہ کے جدا جدا ہر ایک شعبہ پر بحث کرنا مناسب ہوگا۔  
(۱) اسلامی نقطہ نظر سے تمدن کی اساس اور اس کے متعلق عام اصول و احکام۔

(۲) اکل و شرب (۳) لباس - (۴) وضع قطع - (۵) بود و ماند۔

تمدنِ اسلامی | اسلامی معاشرت اور تمدن کی اصل یا اس کی اساس صرف ایک قانونی دفعہ پر قائم ہے اور  
کی اساس | وہ یہ کہ مسلمان کے شعبہ ہائے حیات میں ایسا کوئی عمل نہیں پایا جانا چاہئے جو دوسرے کسی  
نذہب کے امتیازی نشانات میں شمار ہوتا ہو۔

مطلب یہ ہے کہ کھانے پینے، پہننے، شکل و صورت اور بود و ماند میں ایسا طریقہ نہ اختیار کیا جائے جو غیر مسلم اقوام و اہم کے مذہبی امتیازات یا نشانات کے لئے مخصوص ہو اور یہ کہا جاسکے کہ ایک مسلم نے "غیر مسلم شعار" کو اختیار کر لیا۔

کافر و مشرک گروہ کی مذہبی زندگی میں صرف اعتقادات شرک و کفری و حیدر امتیاز و تخصیص نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنے مخصوص معتقدات کے اثرات اور مقتدایانِ مذہب کی عائد کردہ پابندیوں سے پیدا شدہ

رسم و رواج کی بنا پر زندگی کے ہر شعبہ میں بعض ایسی خصوصیات و امتیازات رکھتا ہے جو اس کے جاہلی اعتقادات و مشرکانہ زندگی کے لئے وجہ امتیاز بن کر کفر و شرک کی زندگی کے لازم نجاتے ہیں اور نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ اگر ایک شخص مذہب اور مذہبی احکام سے نا آشنا بھی ہو تب بھی جب وہ کسی شخص کو ان طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ کو استعمال کرتا دیکھتا ہے تو فوراً یہ کہہ اٹھتا ہے کہ یہ فلاں جماعت سے تعلق رکھتا ہے۔

غرض یہودی ہو یا نصرانی، مجوسی ہو یا مشرک، ان کے شعبہ ہائے حیات کا کوئی بھی طریق کار اگر ان کی معاشرت کا ایسا جز بن گیا ہے کہ ان کے مذہبی یا قومی نشان و امتیاز کی حیثیت اختیار کر چکا ہے تو اسلامی تمدن کی سب سے پہلی اساس یہ ہے کہ "مسلم" کے لئے وہ طریق کار قطعاً غیر اسلامی ہے اور فقہ اسلامی اس کیلئے "حرام" کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔

چنانچہ قرآن عزیز کی یہ آیات اسی اساس و اصل کا پتہ دیتی ہیں۔

ومن یشاقق الرسول من بعد  
اور جس شخص پر ہدایت کی راہ واضح ہو جائے اور اس  
ما تبین لہ الہدیٰ و یتبع غیر  
پر بھی وہ اللہ کے رسول سے مخالفت کرے اور رُخسوا  
سبیل المؤمنین و لکم ما توئی  
کی راہ چھوڑ کر دوسری راہ چلنے لگے تو تم اسے اسی  
و نضلّیہ جہنم و ساءت  
طرف کو لجاؤ گے جس طرف جانائے پسند کر لیا اور اگر  
مصیراً۔ (نار)  
دفع میں پہنچائیں گے اور یہ پہنچنے کی کیا ہی بری جگہ ہے؟  
ولئن اتبعتم اہواءہم من بعد  
اور اگر تو ان (اہل کتاب) کی خواہشوں پر چلاؤ اس علم  
ما جاءک من العلم انک اذا  
کے بعد جو کچھ کو پہنچ گیا ہے تو بیشک تو بھی ظلم  
من التّالمین ہ (لقرہ)  
کرنے والوں میں ہوگا۔

ان آیات کے چلنے غیر سبیل المؤمنین اور اتبعتم اہواءہم میں اسی حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ ایسا کوئی طریقہ نہیں اختیار کرنا چاہئے جو غیر مسلموں کا طریقہ کہلایا جاسکے اور اس کو "مسلم طریقہ"

کسی طرح نہ کہہ سکیں اور یہ صورت اسی وقت بنے گی جب وہ طریق کار غیر اسلامی شعار و امتیاز کی حیثیت اختیار کر لے نیز یہ کہ کفار و مشرکین کی خواہشات کی پیروی ہرگز نہیں ہونی چاہئے اور ایسا کرنا خدا کے تعلق کے ساتھ نا انصافی کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا اطلاق اعتقادات کے ماسوا ان تمام طریقوں پر کیا جائیگا جو رسوم و شعائر جاہلیت و کفر سے وابستہ ہیں۔

یہ اور اسی قسم کی دوسری آیات ہیں جن کے مفہوم کی وسعت کے پیش نظر مسطورہ ذیل احادیث کو ان کی تفسیر و تشریح کہا جاسکتا ہے۔

عن ابن عمر قال قال رسول الله  
صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص  
نے کسی دوسری قوم کے ساتھ مشابہت کر لی تو وہ  
بقوم ذہومند۔ ۱۷  
اسی قوم میں سے ہے۔

عن عمرو بن شعيب عن جده  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، وہ شخص  
قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم  
ہم میں سے نہیں ہے جس نے ہم مسلمانوں کے علاوہ  
لیس منامن تشبہ بغيرنا۔ ۱۸  
دوسروں کے ساتھ مشابہت کر لی۔

یعنی ایک شخص مسلمان ہونے کے باوجود زنا، زانیہ، خبیث، پھلتا ہے یا صلیب، گلے میں لٹکتا ہے یا عود کو سوت یا رشم کی رتی میں باندھ کر مکر پر پشیمانی کی طرح باندھتا ہے تو بے شبہ یہ شخص بالترتیب مشرکین یا نصاریٰ یا مجوس کے ساتھ مشابہت پیدا کرتا ہے اور اس کے لئے شریعت اسلامی کا یہ کہنا بجا ہوگا کہ یہ ہم میں (اہل اسلام میں) سے نہیں ہے۔

یامثالاً ایک شخص اسلامی اعتقادات پر ایمان کلی رکھتا ہے اور خود کو مسلمان کہتا ہے تاہم سر پر ہندوؤں کی طرح چوٹی رکھتا، چوکالیپ کرکھانا کھاتا، مسلمانوں کے ہاتھ چھوئی چیز کو ناپاک سمجھ کر اس کو

۱۷ البوداؤد معجم اوسط للطبرانی۔ ۱۸ ترمذی۔

استعمال نہیں کرتا، یا عیسائیوں کی طرح گھر میں برکت کے لئے صلیب کے نشان بناتا، پادریوں کے سامنے کنفییشن (اظہارِ گناہ برائے توبہ) کرتا ہے یا پارسیوں کی طرح آگ کے ساتھ تقدس کا معاملہ کرتا ہے تو دعویٰ اسلام کے باوجود وہ مسطورہ بالا آیات و احادیث کا مصداق ہے اور اس کو یہی کہا جائیگا کہ 'لیس منا یہ ہم سے نہیں ہے۔'

غرض ان آیات و احادیث میں اس اتباع اور تشابہ کی سخت ممانعت کی گئی ہے جو مسلمانوں کے خلاف دوسری قوموں کے مذہبی شعاریا قومی شعار بن چکے ہوں یعنی وہ ایسے رسوم و شعائر ہیں جن کو اس لئے کیا جاتا ہے کہ دوسروں کو یہ تعارف رہے کہ یہ ہندو ہے یہ نصرانی ہے یہ یہودی ہے یا یہ مجوسی ہے۔ مثلاً ہولی میں رنگ کھیلنا اور ہندوؤں کے ساتھ ہولی کھیلنا، کرسمس میں نصاریٰ کی رسوم اور نوروز میں مجوس کی مشرکانه رسوم ادا کرنا۔

یہ بھی واضح رہے کہ مشرکین، مجوس اور اہل کتاب کے تشبہ اور اتباع کی ممانعت سے متعلق ان آیات کا اطلاق اگرچہ بعض ایسے اعمال پر بھی ہوتا ہے جو مستذکرہ بالا اقسام تشبہ میں داخل نہیں ہیں مگر وہ اطلاق آیات و احادیث کے عموم کے پیش نظر ہرگز نہیں ہوتا بلکہ ان خصوصی اور جزئی احکام کے تحت میں ہوتا ہے جو ان خصوصی امور کے متعلق شائع کی جانب سے وارد ہوئے ہیں۔ مثلاً ڈاڑھی منڈانے یا مونچھوں کو دراز کر کے بلند کرنے پر شریعتِ اسلامی نے جو ممانعت کی ہے وہ آیات اور احادیث زیر بحث کے عموم کے پیش نظر نہیں کی بلکہ اس لئے کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ خاص میں نصوص وارد ہوئی ہیں ورنہ اگر صرف آیات و احادیث زیر بحث کا عموم اس کے لئے کافی ہوتا تو آج نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ممانعت پر عمل کرنا مشکل ہو جاتا کیونکہ ایک طرف اگر یہ عمل مشرکین، نصاریٰ اور مجوس میں عمومی حیثیت سے پایا جاتا ہے تو دوسری جانب ڈاڑھی بڑھانا اور مونچھوں کا ٹھوکرنا یا پست کرنا یہودیوں اور عیسائی پادریوں کا خاص شعار بن گیا ہے تو اب ایک شخص اگر ڈاڑھی منڈاتا ہے تو اس کے سامنے ہم حدیث

”من تشبہ بقوم“ پڑھکر اس کے اس عمل پر نکیر کریں گے اور اگر وہی شخص چند روز کے بعد ڈاڑھی بڑھا کر سامنے آتا ہے تب بھی ہم کو یہود کے عمل کو سامنے رکھ کر یہی حدیث ”من تشبہ بقوم“ پڑھنا اور اس کے اس عمل پر نکیر کرنا چاہئے اس لئے کہ اگر پہلا عمل مجوس، مشرکین اور عام نصاریٰ کا قومی شعار بن گیا ہے تو دوسرا عمل یہودیوں اور عیسائی پادریوں کا شعار بن چکا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فقہاء اسلام نے اصول فقہ میں تصریح کی ہے کہ کسی نص کے عموم پر عام طریقہ سے حکم لگانا صحیح نہیں ہے بلکہ فقہاء کا فرض ہے کہ وہ جس شے پر حکم لگانا چاہتے ہیں پہلے یہ دیکھ لیں کہ شارع کی جانب سے اس کے متعلق خاص اور جزئی کوئی حکم تو موجود نہیں ہے اگر ہے تو پھر اُس شے پر اس خاص نص کے ماتحت حکم دینا چاہئے، نہ کہ عام نص کے عموم کے ماتحت۔ ہاں اگر اثباتاً و نفیاً اس کے متعلق کوئی خاص حکم موجود نہ ہو تو پھر مجتہد اور فقیہ کے اجتہاد کو دخل ہو گا کہ وہ اس خاص مسئلہ کو عام نص کی جزئی سمجھتا ہے یا نہیں۔

لہذا ایش و بردت کے مسئلہ میں ”من تشبہ بقوم“ کے عموم کو پیش کرنے کی بجائے ان احادیثی نصوص کو پیش کیا جائیگا جو نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاص مسئلہ میں ارشاد فرمائے ہیں۔

البتہ جن امور کے متعلق ہم نے تصریح کی ہے وہ بے شبہ کسی خاص نص کے وارد ہونے کے محتاج نہیں ہیں اور مانعت تشبیہ کے تحت میں نصوص کے عموم کے ماتحت داخل ہیں اس لئے کہ یہ وہ امور ہیں جو تشبیہ بالغیر کے لحاظ سے مذہبی شعائر و ملی رسوم و عوائد میں شمار ہوتے ہیں اور غیروں کی نظروں اور خود مسلمانوں کی نگاہوں میں ”مسلم“ اور غیر مسلم کا امتیاز پیدا کرتے ہیں۔

”اسلامی تمدن“ کی یہ اساس درحقیقت مسئلہ کا منفی پہلو ہے مگر بہت اہم اور بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتا ہے۔ مسئلہ زیر بحث کا مثبت پہلو کیا ہے؟ اور وہ کس طرح تمدن اسلامی کے لئے اصل و بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے؟ یہ بات نتیجہ طلب ہے اور چند ابتدائی مقدمات پر مبنی ہے۔

(الف) قرآن عزیز، حدیث رسول اور اجراء امت نے علی زندگی کے شعبوں میں سے کسی شعبہ کے

متعلق اگر بصراحت کوئی حکم دیا ہے تو وہ تمدنِ اسلامی میں شامل ہے۔ اور صراحت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول، یاہل اور اپنی موجودگی میں صحابہ کے قول و عمل پر سکوت، یہ تینوں باتیں داخل ہیں۔

(ب) یہ حکم "اپنے فقہی درجات کے اعتبار سے" فرض و واجب ہے یا "سنت" یا "مستحب" یا "مبذ" تو اس کو تمدنِ اسلامی میں وہی حیثیت دی جائے گی جو جمہور یا اکثر مجتہدین و فقہاءِ امت کو ملک سے مطابقت رکھتی ہو کیونکہ "تمدنِ اسلامی" اور "مسلم کلچر" تمام مسلمانوں کی متحدہ امانت ہے لہذا اس میں اس وسعت کو تسلیم کرنا چاہئے ورنہ کسی بھی شے کو "مختلف فیہ مسائل" کی حیثیت میں لے آنے کے بعد اس کے متعلق "اسلامی تمدن" میں شمولیت کا دعویٰ صحیح نہیں ہو سکتا۔

دوسرے الفاظ میں یوں کہہ لیجئے کہ "اسلامی تمدن" اور "مسلم کلچر" کی تعیین و تحدید جب ہی ممکن ہے کہ وہ حنفی تمدن، شافعی تمدن، مالکی تمدن، حنبلی تمدن اور احمدیہ تمدن میں منقسم نہ ہو بلکہ اپنے وجود میں صرف "اسلامی تمدن" کہلاتا ہو۔ اور اس کے لئے صرف ایک ہی صورت ہو سکتی ہے کہ وہ جمہور یا اکثر مجتہدین و فقہاء کا مسلم ہو اور دوسری جانب یا سر سے کوئی رائے مخالف ہی نہ ہو اور یا شاذ اقوال ہوں۔

جمہور اور اکثر فقہاء و مجتہدین کے قول کو شاذ اقوال پر ترجیح دینے کے اس مسئلہ کو بخیر پسندی کے اس دور میں یورپین قوانین کے طرز و رائے شماری کی تقلید کے پیش نظر نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ اس اسلامی طرز فیصلہ کے مطابق تسلیم کرنا چاہئے جس کو سامنے رکھ کر فقہاءِ امت اور علماءِ اہل سنت جگہ جگہ مسائل کے متعلق یہ تحریر فرماتے ہیں: "وعلیہ الاکثر" و علیہ الجمہور، یعنی اکثر فقہاء یا جمہور فقہاء اور علماء کی رائے ہی ہے اور کتب فقہ میں کثرت سے مذکور ہے "لاندرائی الاکثر و علیہ الفتویٰ" و علیہ الفتویٰ لاندرائی الجمہور" یعنی اکثر کی رائے اسی جانب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اس لئے کہ جمہور کی رائے اسی جانب ہے۔

(ج) جس شے کے متعلق نص نے "امر" کیا ہے وہ اگر فقہاءِ امت کے نزدیک "سنت" میں داخل ہے تو اس جگہ "سنتِ سنّیہ" مراد ہوگی "سنتِ عادیہ" نہیں مراد لی جائیگی۔

اس اجمال کی شرح شاہ ولی اللہ نے حجتہ العدا بالغہ میں فرمائی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سنتِ رسولؐ (یعنی وہ عمل جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا طریقہ کار بنایا ہو) کی دو صورتیں ہیں، اگر آپ نے اس عمل کو خود بھی کیا اور دوسروں کو بھی اس کے کرنے کی ترغیب دی یا صحابہ نے اس کو آپ کے سامنے اس پابندی کے ساتھ کیا کہ گویا وہ شریعت کا فیصلہ ہے اور آپ نے ان کے اس طرز پر سکوت فرمایا تو یہ عمل شریعت اسلامی کی اصطلاح میں "سنتِ سنّیہ" کہلائیگا اور اگر وہ زندگی کے ان شعبوں سے متعلق ہے جن پر تمدن کا لفظ حاوی ہے تو بے شبہ اُس کو تمدنِ اسلامی میں شرعی حیثیت حاصل ہوگی۔

اور اگر آپ کا وہ عمل محض اتفاقی ہے یا ذاتی تقاضے طبیعت سے ہے یا ان عادات و رسوم میں سے ہے جو عربی نظر ادہونے کی وجہ سے آپ سے عمل میں آتی تھیں اور ان کو آپ ناپسند نہیں فرماتے تھے تو اس قسم کے اعمال "سنتِ عادیہ" میں داخل ہیں اور یہ فقہی اعتبار سے مذہبی احکام میں داخل نہیں ہیں البتہ اگر کوئی شخص عشقِ رسول میں سرشار ان کو بھی اپنی زندگی میں داخل کر لیتا ہے تو عشق و محبت کا یہ معاملہ فقہی احکام سے جدا ہے۔ مثلاً کتب احادیث میں صحیح روایات سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تزکایوں میں کدو بہت محبوب تھا اور لباس میں "سپید لباس" اور یمنی چادر مرغوب تھے یا آپ نے عمر مبارک کے بیشتر حصہ میں عرب کے رسم و رواج کے مطابق تہ بندیاں نہا ہے تو یہ امور سنتِ عادیہ کہلائیں گے ان کو "سنتِ سنّیہ" نہیں کہا جائیگا۔

(د) قرآن عزیز، حدیثِ رسول اور اجماع امت نے اگر کسی چیز کے متعلق "نبی" فرمائی ہے اور وہ تمدن کے شعبوں میں سے کسی شعبہ سے متعلق ہے تو وہ تمدنِ اسلامی سے خارج کر دی جائے گی بلکہ اس کے مخالف تمدن میں شمار ہوگی۔ اور اس ممانعت میں بھی فقہی درجات و کراہت کے پیش نظر اس کی حیثیت میں فرق تسلیم کیا جائیگا۔

(۴) اگر کسی تمدنی شے میں تشبہ یا عدم تشبہ کے اطلاق کا سوال پیدا ہو جائے تو اگر اُس شے کے



متعلق کوئی خاص نص موجود ہے تو اس نصِ خاص کو حکم کے لئے دلیل بنایا جائے گا۔ ”مَنْ شَبَّهَ بِقَوْمٍ“ کے عموم سے استدلال درست نہ ہوگا مگر اس حد تک جو نصِ خاص کے شمول میں آجاتا ہو۔

(و) تمدن کے مسائل میں شریعت کی جانب سے جواز و عدم جواز کی دو شکلیں ہیں بعض چیزیں وہ ہیں جن کے جواز و عدم جواز کو استقلال حاصل ہے اور ان کا اختیار و ترک بڑا تہ مقصود ہے اور بعض اشیا روہ ہیں جن کے امر و نہی کا مدار خارجی اسباب پر رکھا گیا ہے لہذا جن عوارض کی بنا پر وہ حکم صادر ہوا ہے اگر وہ عوارض منقود ہو جائیں تو اس وقت وہ حکم بھی باقی نہیں رہے گا۔

مثلاً بخاری و مسلم کی صحیح احادیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کی حرمت کے ابتدائی دور میں چند ان ظروف کے استعمال کی سخت ممانعت فرمادی تھی جو شراب کی مخلو میں ضروریاتِ شراب میں سے سمجھے جاتے تھے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب لوگوں کے دلوں میں شراب کی حرمت جاگزیں ہو گئی تو آپ نے ان ظروف کے استعمال کی اجازت دیدی لہذا آج بھی اگر کوئی شخص موجودہ زمانہ کی کسی مجلسِ شراب کے ظروف کو شربت اور دودھ وغیرہ کے لئے استعمال کرے تو ایسے ظروف کے استعمال کو ممنوع نہیں کہا جائے گا اور ان کا استعمال تمدنِ اسلامی کے خلاف نہیں سمجھا جائے گا۔

(باقی آئندہ)